تحریکِ جدید ایک قطرہ ہے قربانیوں کے اُس سمندر کا جو تمہارے سامنے آنے والا ہے

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

تحریکِ جدید ایک قطرہ ہے قربانیوں کے اُس سمندر کا جو تمہارے سامنے آنے والا ہے

(تقریر فرمودہ ۲۸۔ جون ۱۹۳۶ء برموقع جلسہ تحریک جدید)

تشہّد ، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میری صحت تو اس بات کی اجازت بالکل نہیں دیتی کہ میں تقریر کرسکوں لیکن انسان ان باتوں سے غافل ہوتا ہے جو اس کو نظر نہیں آتیں۔ اگر کسی کے پاؤں میں کوئی زخم ہو اور وہ چلتا ہوا نظر آئے تو اس سے تعلق رکھنے والا ہر شخص اس کو ملامت کرتا اور اس کی منتیں کرتا ہوا کہتا ہے آپ لیٹے رہیے تا زخم اچھا ہو جائے کیونکہ وہ زخم ان لوگوں کو نظر آ جاتا ہے۔ لیکن جب وہی زخم اندرونی ہوتا ہے، ایک کو پیچش ہو جاتی ہے اور وہ اس تکلیف کا اظہار کرتا ہے تو اس کے دوست اسے کہتے ہیں یونہی نخرے کر رہا ہے۔ اِسے کیا ہوا ہے کہ یہ چل پھر نہیں سکتا۔ وہی زخم اگر کسی کے گلے میں ہوتا ہے تو اس کی انسان چنداں پروا نہیں کرتا اور یہ امید رکھتا ہے کہ باوجود اس زخم کے وہ بولتا چلا جائے اور وہ خیال کرتا ہے کہ بھلا تھوڑا سا بولنے میں کیا حرج ہے۔ یہ عام انسانی فطرت کی کمزوری ہے اور انسان بوجہ اپنے محدود علم کے اس قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہوتا رہتا ہے۔

میں نے تحریک جدید کے متعلق اس قدر باتیں کہہ دی ہیں کہ میں سمجھتا ہوں مجھے اس بارہ میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں مگر انسانی فطرت جدّت پسند بھی ہے اور وہ سب کچھ سننے کے بعد پھر بھی خواہش کرتی ہے کہ کچھ اور سنایا جائے اور وہ اس سوال پر بھی بُرا مناتی ہے کہ تم جو اور سننے کے خواہشمند ہو پچھلے سننے پر تم نے کیا عمل کیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں ایک دفعہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں

معجزہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر مجھے فلاں معجزہ دکھا دیا جائے تو میں آپ پر ایمان لانے کیلئے تیار ہوں۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ مداری نہیں وہ کوئی تماشہ نہیں دکھاتا بلکہ اس کا ہر کام حکمت سے پُر ہوتا ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ جو پہلے معجزے دکھائے گئے ہیں ان سے آپ نے کیا فائدہ اُٹھایا ہے کہ آپ کیلئے اب کوئی نیا معجزہ دکھایا جائے۔ مگر انسانی فطرت کی کمزوری اس کو بھی ناپسند کرتی بلکہ شاید اسے بدتہذیبی قرار دیتی ہے، وہ جائز سمجھتی ہے کہ سُستی اور غفلت میں مبتلا چلی جائے بلکہ سُستی اور غفلت میں ہمیشہ پڑی رہے اور کوئی اس سے اتنا بھی سوال نہ کرے کہ اس نے اپنی ذمہ واری کو کس حد تک ادا کیا ہے۔ ہاں جب بھی وہ کوئی تماشہ دیکھنا چاہے اُس وقت اسے وہ تماشہ ضرور دکھا دیا جائے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل دے کر بھیجا ہے وہ کوئی پاگل وجود نہیں۔ جمادات کی طرح اور حیوانات کی طرح وہ محدود عقل کا یا بالکل بے عقل وجود نہیں مگر وہ خدا تعالیٰ کی اس نعمت سے جو اُسے دی گئی ہے کیا فائدہ اُٹھاتا ہے کتنے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل کو استعمال کرتے ہیں، کتنے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سمجھ کو استعمال کرتے ہیں، کتنے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے فہم کو استعمال کرتے ہیں، دنیا میں بڑی چیزوں پر ہمیشہ چھوٹی چیزوں کو قربان کیا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کمزور انسانیت پر اپنے پیدا کئے ہوئے قیمتی سے قیمتی جوہروں کو قربان کیا۔ آدمؑ اپنے زمانہ کا سب سے قیمتی جوہر تھا مگر خدا تعالیٰ نے ان کمزور لوگوں کیلئے جنہوں نے شیطان کو جنت میں دخل دیا، آدمؑ کی سی قیمتی جان کو قربان کرا دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنے زمانہ میں سب سے قیمتی وجود تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان ازلی شَقِیوں اور بدقسمت وجودوں کیلئے جو ہدایت سے محرومی اختیار کر چکے تھے، حضرت نوح علیہ السلام کی جان کو قربان کرا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے زمانہ کے سب سے قیمتی وجود تھے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جان کو کمزور اور ناقص انسانوں کے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے کرب و بلاء میں مبتلا کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ کے سب سے قیمتی وجود تھے مگر وہ بنی اسرائیل جو خدا کیلئے صرف اس قربانی کے مالک تھے کہ انہوں نے کہہ دیا۔ **فَاذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ**۔[1] اُس بزدل، اس نشانات سے آنکھیں بند کر لینے والی اور اس جاہل قوم

کیلئے خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی سی قیمتی جان کو قربان کرا دیا۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ کے قیمتی ترین وجودوں میں سے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کیلئے جن کے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام خود کہتے ہیں کہ وہ سانپ اور سانپوں کی اولاد ہیں، وہ درندے اور درندوں کی اولاد ہیں، ان کی زندگی کو بھینٹ چڑھا دیا۔
محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ پاک اور اعلیٰ وجود اس دنیا میں کون آیا کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا۔ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ[2] اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تجھے نہ پیدا کرنا ہوتا تو میں زمین اور آسمان کو بھی پیدا نہ کرتا۔ پس وہ وجود جس کی خاطر بنی نوع انسان پیدا کئے گئے۔ ابوجہل، عتبہ اور شیبہ کی ہدایت اور بھلائی کیلئے اس کو ایک ایسی صلیب پر لٹکا دیا گیا جو لوگوں کو تو نظر نہیں آئی مگر خدا تعالیٰ جس کی نظر میں ہر غیب بھی ظاہر ہے، وہ اس صلیب کے متعلق فرماتا ہے۔ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔[3] اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاید کہ غم کی چُھری تجھ کو ذبح کرتے کرتے تیری گردن کے آخری تسموں کو بھی کاٹ دے گی اس وجہ سے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ وہ قربان ہونے والے وجود کس قیمت کے تھے اور جن کیلئے انہوں نے قربانی دی وہ کس قیمت کے تھے۔ مگر کون تھے جنہوں نے ان قربانیوں سے فائدہ اُٹھایا اور کس حد تک؟ کیا ہمیں اس بات کے سمجھانے کیلئے کسی نبی کی ضرورت ہے کہ ہماری زندگی موت پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ایک اور تسلسل زندگی کا ہمیں حاصل ہونے والا ہے، کیا ہمیں اس بات کے سمجھانے کیلئے کسی نبی کی ضرورت ہے کہ ہمارے اعمال کسی بدلے اور جزاء کے متقاضی ہیں اور ہماری زندگیاں بے کار اور رائیگاں جانے والی نہیں اور ایک دارالحساب ہمارے لئے مقرر ہے جس میں ہم سب کا حساب لیا جائے گا۔ پھر کیا ہمیں اس بات کے سمجھانے کیلئے کسی نبی کی ضرورت ہے کہ ہم اس دنیا میں ہمیشہ زندہ نہیں رہیں گے بلکہ ایک دن مر جائیں گے اور سب چیزیں اسی جگہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ آخر کونسی چیز ہے جس کیلئے ہم کہیں کہ ہمیں اس کے متعلق باہر سے امداد کی ضرورت ہے۔
چھوڑ دو ان باتوں کو جو آسمان سے آنے والی ہوتی ہیں اور جن کے بغیر انسان کی روحانیت اعلیٰ مدارج پر نہیں پہنچ سکتی کہ وہ بے شک رسولوں کے ذریعہ آتی ہیں اور ان کے بغیر ان کا علم حاصل نہیں ہو سکتا لیکن ان سے نیچے اُتر کر وہ ابتدائی باتیں جن کیلئے نبیوں کی ضرورت نہیں، انہی کے متعلق غور کر کے دیکھ لو، انسان ان کا کس حد تک خیال رکھتا ہے۔ سب سے زیادہ

یقینی چیز موت ہے مگر کیا سب سے زیادہ انسان اسی کو نہیں بُھولتا۔ کوئی انسان ہے جو کہے کہ میں نے اپنا کوئی رشتہ دار مرتا ہوا نہیں دیکھا، کیا کوئی ہے جو کہہ سکے کہ وہ آدمؑ سے پہلے زمانہ کا ہے جس کا نہ کوئی باپ تھا نہ کوئی اور رشتہ دار اور وہ اب تک موت سے محفوظ ہے۔ اگر آج کوئی آدمؑ کا بیٹا بھی ہے تو بھی آدم اس کے سامنے مرا، اگر آج کوئی نوحؑ کا بیٹا ہے، تب بھی آدمؑ اور اس کی اولاد اور حضرت نوحؑ کی وفات اس کے سامنے ہوئی۔ اگر کوئی موسیٰؑ سے بھی تعلق رکھنے والا ہے، تب بھی حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور دوسرے لاکھوں انسان اس نے مرتے دیکھے، اسی طرح اگر آج کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا موجود ہے یا رسول کریم ﷺ کے زمانہ کا کوئی پایا جائے تو ہزارہا انسان اس کے سامنے فوت ہو چکے مگر اس قسم کا آدمی تو دنیا میں کوئی موجود نہیں۔

انسان کی اوسط عمر چالیس پچاس سال ہوتی ہے۔ اس تھوڑے سے عرصہ میں ہی اس کے کئی بھائی بند، رشتہ دار اور دوست اس کے سامنے فوت ہو جاتے ہیں مگر کتنے ہیں جو اپنی موت یاد رکھتے ہیں اور پھر کتنے ہیں جو موت کے آنے سے پہلے اس کیلئے تیاری کرتے ہیں۔ درحقیقت میری تحریک کوئی جدید تحریک نہیں بلکہ یہ قدیم ترین تحریک ہے۔ اور اس جدید کے لفظ سے صرف اُن ماؤف اور اُن بیمار دماغوں سے تلعّب کیا گیا ہے جو بغیر جدید کے کسی بات کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ جس طرح ڈاکٹر جب ایک مریض کا لمبے عرصہ تک علاج کرتا رہتا ہے تو بیمار بعض دفعہ کہتا ہے مجھے اِن دواؤں سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ تب وہ کہتا ہے اچھا میں آج تمہیں نئی دوا دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ پہلی دوا میں ہی ٹنکچر کارڈمم ملا کر اور خوشبودار بنا کر اُسے دے دیتا ہے۔ مریض سمجھتا ہے کہ مجھے نئی دوا دی گئی ہے اور ڈاکٹر بھی اسے نئی دوا کہنے میں حق بجانب ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اس میں ایک نئی دوا ملا دیتا ہے۔ مگر وہ اس لئے اسے جدید بناتا ہے تا مریض دوائی پیتا رہے اور اس کی امید نہ ٹوٹے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ایک دفعہ ایک بڑھیا آئی۔ اسے ملیریا بخار تھا جو لمبا ہو گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے فرمایا تم کونین کھایا کرو۔ وہ کہنے لگی کونین؟ میں تو اگر کسی کونین کی گولی کا چوتھا حصہ بھی کھا لوں تو ہفتہ ہفتہ بخار کی تیزی سے پھُنکتی رہتی ہوں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ کونین کھانے کیلئے تیار نہیں۔ تو چونکہ عام طور پر ہمارے ملک میں کونین کو کونَین کہتے ہیں جس کے معنی دو جہانوں کے ہوتے ہیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے کھانے کو تو

کونین ہی کی گولیاں دیں مگر فرمایا۔ یہ دَارَین کی گولیاں ہیں، انہیں استعمال کرو۔ دو تین گولیاں ہی اس نے کھائی ہوں گی کہ آ کر کہنے لگی مجھے تو اس دوا سے ٹھنڈک پڑ گئی ہے، کچھ اور گولیاں دیں۔ میں نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح پرانی تحریک کا نام جدید رکھ دیا اور تم نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ جدید تحریک ہے۔ وہ لوگ جن کے اندر اخلاص تھا اور وہ چاہتے تھے کہ روحانیت میں ترقی کریں، انہوں نے جب ایک تحریک کا نیا نام سنا تو انہوں نے کہا یہ نئی چیز ہے آؤ ہم اس سے فائدہ اُٹھائیں اور وہ لوگ جن کے اندر نفاق تھا انہوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ نئی چیز ہے، کہنا شروع کر دیا کہ اب یہ نئی نئی باتیں نکال رہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ وَالسَّلام کے طریق سے انحراف کر رہے ہیں۔ نہ اِس نے بات سمجھنے کی کوشش کی اور نہ اُس نے فائدہ اُٹھایا۔

پُرانی شراب پُرانے مٹکوں میں پڑی ہوئی تھی۔ صرف اس کا نام بدل دیا گیا تو منافق نے کہنا شروع کر دیا، اب یہ نئی باتیں بنانے لگ گئے ہیں۔ اور مخلص نے کہا میرے سامنے نئی چیز پیش کی جا رہی ہے، آؤ میں اس سے فائدہ اُٹھاؤں حالانکہ وہ پرانی ہی چیز تھی جسے ایک نیا نام دے دیا گیا۔ وہ وہی چیز تھی جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا اور وہ وہی چیز تھی جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیش فرمایا مگر وہ لوگ جن کی ایمانی حالت بچوں کی سی تھی انہوں نے کہا آؤ ہم ایک نئی چیز کا تجربہ کریں اور منافقوں نے کہہ دیا کہ اب پرانے طریق چھوڑ کر نئے طریق اختیار کئے جا رہے ہیں حالانکہ اس میں وہ کونسی چیز ہے جو نئی ہے۔ وہی ایک قانون ہے جو آدمؑ کے وقت سے مقرر ہوا کہ جب شیطان تم پر حملہ کرے گا، تمہیں اس کے مقابلہ میں اپنے ہاتھ پاؤں ہلانے پڑیں گے بغیر اس کے تمہیں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ اس کے سوا تحریک جدید میں اور کیا ہے؟ یہی قانون اس تحریک میں کام کر رہا ہے کہ حرکت میں برکت ہے۔ نیا نام تو اسے اس لئے دیا گیا کہ وہ لوگ جو نئی چیز کی طرف توجہ کرنے کے عادی ہیں، اس کا نیا نام سن کر اس کی طرف توجہ کریں۔ جیسا کہ کہتے ہیں کوئی زمیندار مرنے لگا، تو اس کے چار لڑکے تھے وہ چاروں اس کے پاس آئے۔ باپ نے کہا۔ میں اب مرنے لگا ہوں، اس لئے میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے اپنے کھیت میں ایک خزانہ دفن کیا تھا مجھے یاد نہیں رہا وہ کس جگہ ہے۔ جب میں مر جاؤں تو سارا کھیت کھود ڈالنا، ممکن ہے وہ خزانہ کسی جگہ سے تمہیں دستیاب ہو جائے۔ باپ کے مرتے ہی چاروں بھائی کدالیں لے کر کھیت میں پہنچ گئے اور تمام زمین کھود ڈالی مگر انہیں خزانہ نہ ملا۔

وہ حیران ہوئے کہ خزانہ کہاں چلا گیا۔ پھر خیال آیا کہ شاید کوئی چور نکال کر لے گیا ہو۔ مگر اس کے بعد جب انہوں نے اسی کھیت میں کھیتی بوئی تو بوجہ اس کے انہوں نے کھود کر تمام زمین کو نرم کر دیا تھا، فصل خوب ہوئی اور دوسروں سے کئی گُنے زیادہ اناج پیدا ہوا۔ انہوں نے ایک دن اتفاقاً کسی سے ذکر کیا کہ ہمارے باپ نے مرتے وقت کہا تھا کہ اس زمین میں خزانہ مدفون ہے ہم نے تمام زمین کھود ڈالی مگر خزانہ کہیں سے نہیں ملا۔ وہ کہنے لگا بیوقوفو! یہی تو خزانہ ہے جو کئی گنے زیادہ اناج کی صورت میں تمہیں مل گیا۔ اگر تمہارا باپ تمہیں یہ کہتا کہ زمین خوب کھودنا اس سے فصل اچھی ہوگی، تو تم کب اس کی بات مانتے۔ تم کہتے کیا بے وقوفی کی بات ہے جس طرح دوسرے لوگ فصل بوتے ہیں، اسی طرح ہم کیوں نہ بوئیں۔ مگر جب اس نے خزانے کا لفظ بول دیا تو تم سب مل کر زمین کھودنے لگ گئے اور اس طرح تمہیں دوسروں سے کئی گُنے زیادہ غلہ مل گیا۔ یہی تو خزانہ ہے جو تمہیں اپنے باپ کی وجہ سے ملا۔ تو چیز ایک ہی ہوتی ہے مگر رنگ بدل دیا جاتا ہے۔ وہی چیز جو آدم کے ہاتھوں دنیا میں قائم ہوئی، وہی نوحؑ کے ذریعہ قائم ہوئی، وہی ابراہیمؑ کے ذریعہ قائم ہوئی، وہی موسیٰ کے ذریعہ قائم ہوئی، وہی عیسیٰؑ کے ذریعہ قائم ہوئی اور وہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قائم ہوئی۔ کامیابی کا گُر سب کا ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ جب شیطان خدا تعالیٰ کی بادشاہت پر حملہ کرے تو اُس وقت مومن اُٹھے اور اپنی جان دے دے۔ جب تک مومن خدا تعالیٰ کیلئے جان دینے کیلئے تیار نہیں ہوتا، جب تک خدائی قلعہ کی حفاظت کیلئے وہ ہر قسم کی قربانیوں پر آمادہ نہیں ہوتا، اُس وقت تک خدا تعالیٰ کی نصرت اس کیلئے نہیں اُترتی۔ اس چیز کا کوئی نام رکھ لو۔ تحریک جدید رکھ لو، تحریک قدیم رکھ لو، دینِ حنیف رکھ لو، دینِ موسوی رکھ لو، دینِ عیسوی رکھ لو، بات ایک ہی ہے، گُر ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ خدا اپنے مومن بندوں سے قربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اگر بندے اس کیلئے جان دینے کیلئے تیار ہوں تو خدا تعالیٰ ان کی جان بچانے کیلئے تیار ہو جاتا ہے اور اگر بندے خدا تعالیٰ کیلئے اپنی جان دینے کیلئے تیار نہ ہوں تو خدا تعالیٰ ان کی جان بچانے کیلئے بھی تیار نہیں ہوتا۔ جب تک انسان اُس گُر پر عمل کرتا رہے گا خدا تعالیٰ کی نصرت اور مدد اس کے شاملِ حال رہے گی۔ اور جب اُس گُر پر عمل کرنا چھوڑ دے گا، خدا تعالیٰ کی نصرت اور مدد بھی اس سے چھین لی جائے گی۔ بہرحال ضروری ہے کہ انسان ہر قسم کی قربانیوں کیلئے تیار رہے اور کوئی قربانی ایسی نہ ہو جس کے کرنے سے وہ ہچکچائے۔ خواہ وہ مال کی قربانی ہو، خواہ جان کی قربانی ہو، خواہ عزت کی قربانی ہو، خواہ

وجاہت کی قربانی ہو، خواہ وطن کی قربانی ہو، خواہ جذبات اور احساسات کی قربانی ہو، ہر قسم کی قربانی کیلئے وہ تیار ہو۔ خدا تعالیٰ کبھی شرطیں کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ باقی انسان تو شرطیں کر لیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کبھی شرطیں نہیں کرتا۔ اس کی طرف سے صرف یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ جو اس سے تعلق رکھنا چاہتا ہے وہ بلا شرط اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کر دے۔ اگر وہ مال کے بارہ میں اس کا امتحان لینا چاہے تو وہ مالی امتحان کیلئے تیار ہو، اگر جان کے بارہ میں اس کا امتحان لینا چاہے تو جانی امتحان کیلئے تیار ہو، اگر وطن کے بارہ میں اس کا امتحان لینا چاہے تو وطن کے امتحان کیلئے تیار ہو، اگر عزت کے بارہ میں اس کا امتحان لینا چاہے تو عزت کے امتحان کیلئے تیار ہو۔ اور اگر عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کے بارہ میں امتحان لینا چاہے تو اس امتحان کیلئے تیار ہو۔ ان میں سے کونسی قربانی ہے جسے ہم بڑا یا چھوٹا کہہ سکتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے نوحؑ کا امتحان اس رنگ میں لیا کہ ان کے بیٹے کو مذہباً ان سے جُدا کیا، خدا تعالیٰ نے ابراہیمؑ کا امتحان اس طرح لیا کہ ان کے ہاتھ سے اپنے بیٹے پر چُھری چلوانی چاہی، خدا تعالیٰ نے لوطؑ کا امتحان اس طرح لیا کہ ان کی بیوی ان سے الگ رہی، خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کا امتحان اس طرح لیا کہ ان کا وطن ان سے چُھڑایا، اسی طرح خدا تعالیٰ نے عیسیٰؑ کا امتحان لیا کہ انہیں صلیب پر لٹکا دیا۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں سے فلاں قربانی چھوٹی ہے اور فلاں بڑی۔ یہ تو خدا تعالیٰ کی مصلحت ہوتی ہے کہ وہ کسی قوم کے حالات کو مدّنظر رکھتے ہوئے جس طرح چاہتا ہے، اس کا امتحان لیتا ہے۔ مگر اس میں کیا شبہ ہے کہ یہ سارے امتحان اپنی اپنی جگہ پُرحکمت ہیں اور یہ امتحان اللہ تعالیٰ انسان کے فائدہ کیلئے لیتا ہے۔ خواہ کسی انسان کا وہ امتحان لے جو اس نے حضرت نوح علیہ السلام سے لیا، خواہ وہ امتحان لے جو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیا، خواہ وہ امتحان لے جو اس نے حضرت لوط علیہ السلام سے لیا۔ خواہ وہ امتحان لے جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لیا، خواہ وہ امتحان لے جو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لیا اور خواہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سارے امتحان ہی اُس سے لے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب ترین وجودوں سے بھی خدا تعالیٰ نے چُھڑایا۔ چنانچہ ان کے اپنے چچا ایمان سے محروم رہے، ان سے وطن بھی چُھڑایا اور انہیں دشمنوں نے صلیب کی قسم کی تکالیف بھی دیں جیسے اُحد کی جنگ میں آپ ﷺ پر پتھر پھینکے گئے اور آپ بے ہوش ہو گئے۔[۴]

واقعہ صلیب کیا تھا؟ یہی کہ ہاتھ پاؤں میں کیل گاڑے گئے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

بے ہوش ہو گئے مگر اُس وقت فوت نہیں ہوئے ، اسی طرح اُحد کی جنگ میں کیلوں کی جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مارے گئے ، آپؐ کے دانت گرے اور آپؐ بے ہوش ہو گئے ۔

غرض جو تکلیف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آئی وہی تکلیف محمد ﷺ کو بھی پیش آئی ۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا اور محمد ﷺ کو بھی وطن چھوڑنا پڑا ۔ غرض وہ تمام قربانیاں جو پہلوں سے لی گئیں محمد ﷺ سے اکٹھی لی گئیں ۔ اب ہم کس قربانی کو حقیر کہہ سکتے ہیں ۔ کس قربانی کو چھوٹا اور کس کو بڑا کہہ سکتے ہیں ۔ یہ محض خدا تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ قربانی کے جس دروازہ سے چاہے انسان کو بلائے ۔ ورنہ جب خدا کہتا ہے کہ جنت میں ہر دروازہ سے فرشتے آئیں گے اور جنتیوں کو سلام کہیں گے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ خدا کہے گا تم پر ہر دروازہ سے مصیبت آئی تھی اور تم نے اسے قبول کیا اب اس کے بدلہ میں ہر دروازہ سے تم پر سلامتی بھیجی جاتی ہے ۔ اگر ہر دروازے سے کسی نے موت قبول نہیں کی تھی تو ہر دروازے سے اس پر فرشتوں کے ذریعہ سلامتی بھیجنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے ۔ آخر وہاں ناٹک کا تماشہ تو نہیں ہوگا کہ چاروں طرف سے فرشتے بھیس بدل بدل کر آ رہے ہونگے اور مومنوں کو سلام کریں گے ۔ مِنْ کُلِّ بَابٍ سَلَامٌ سے مراد یہی ہے کہ چونکہ مومن نے دنیا میں ہر باب سے قربانی دی ہوگی اور ہر تکلیف کو خدا تعالیٰ کیلئے برداشت کیا ہوگا اس لئے خدا تعالیٰ بھی ہر دروازے سے اس پر سلامتی بھیجے گا ۔ پس وہ شخص جو اپنے لئے قربانی کا ایک دروازہ بھی بند کرتا ہے ، جنت کا ایک دروازہ اپنے اوپر بند کرتا ہے ۔ جس کا دوسرے لفظوں میں یہ مطلب ہے کہ ایسا شخص جو اسلام سے تعلق رکھنے والی کسی قربانی سے پیچھے رہتا ہے ، جنت میں داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ جنت میں وہی شخص داخل ہوگا جس نے ہر دروازہ سے خدا تعالیٰ کیلئے موت قبول کی ہوگی ۔ اور ہر قربانی کیلئے اس نے اپنے آپ کو تیار رکھا ہوگا ۔ وہ بخیل جو مال کی قربانی کے وقت پیچھے ہٹ جاتا اور بہانے بنا بنا کر اس سے محفوظ رہنا چاہتا ہے ، وہ قربانی کا ایک دروازہ اپنے اوپر بند کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی جنت کا ایک دروازہ بھی اپنے اوپر بند کر لیتا ہے کیونکہ یہ شرط ہے کہ جنت میں داخل ہونے والے پر ہر دروازہ سے سلامتی بھیجی جائے گی ۔ پس اگر اس نے ہر قربانی میں حصہ نہیں لیا تو وہ جنت میں داخل ہو کر ہر سلامتی کا مستحق کس طرح بن سکتا ہے ۔ وہ بُزدل جو خدا تعالیٰ کے راستہ میں اپنا خون بہانے سے ڈرتا ہے جسے اپنی جان خدا تعالیٰ کے دین کے مقابلہ میں زیادہ پیاری دکھائی دیتی ہے ، وہ قربانی کا ایک دروازہ اپنے اوپر بند کرتا اور اس کے

نتیجہ میں جنت کا دروازہ بھی اپنے اوپر بند کر لیتا ہے کیونکہ جنت میں وہی داخل ہوگا جس نے ہر دروازہ سے خدا تعالیٰ کیلئے قربانی کی ہوگی اور جس کے پاس ہر دروازہ سے فرشتے سلامتی کا پیغام لیکر آئیں گے۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے فرشتے آئیں اور ایک شخص اپنے مکان میں ان میں سے کسی ایک فرشتے کو داخل نہ ہونے دے تو باقی فرشتے داخل ہو جائیں۔ کیا کوئی غیرت مند یہ برداشت کرسکتا ہے کہ وہ اور اس کا بھائی کسی کے مکان پر جائیں اور مالکِ مکان کہے کہ تمہیں تو اندر آنے کی اجازت ہے مگر تمہارے بھائی کو نہیں تو وہ بھائی کو وہیں چھوڑ کر آپ اندر چلا جائے۔ اگر تم اپنے بھائی کے ساتھ کسی سے ملنے کیلئے جاتے ہو اور وہ کہتا ہے کہ تم آ جاؤ اور تمہارا بھائی نہ آئے۔ تو تمہیں غیرت آتی ہے اور تم کہتے ہو کہ اگر میرے بھائی کو اندر نہیں آنے دیتے تو میں بھی نہیں آ سکتا۔ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک فرشتہ کیلئے تم دروازہ بند کرو تو باقی فرشتے تمہارے پاس آ جائیں، یقیناً وہ بھی نہیں آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نکتہ دنیا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ بتایا۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے رب کے حکم کے ماتحت جب اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو خدا تعالیٰ کیلئے قربان کرنے کو تیار ہو گئے تو خدا تعالیٰ نے کہا۔ اے ابراہیم! میں تیری نسل کو دنیا کے کناروں تک پھیلاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بتا رہا ہے کہ نسل ہمیشہ اس کو ملتی ہے جو اپنی نسل کی قربانی خدا تعالیٰ کیلئے کرنے کو تیار ہو جائے اور عزت ہمیشہ اس کو ملتی ہے جو اپنی عزت خدا تعالیٰ کیلئے قربان کرنے کو تیار ہو جائے۔ سلامتی ابتلاء کے مقابلہ کی چیز ہے، جب ہم کہیں کہ خدا نے کسی کو نسل دی ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ اپنی اولاد کو خدا تعالیٰ کیلئے قربان کرنے پر تیار ہو گیا تھا، جب ہم کہیں کہ خدا نے کسی کو مال دیا ہے تو اس کے لازمی معنی یہ ہوں گے کہ وہ اپنے مال کو خدا تعالیٰ کیلئے قربان کرنے پر تیار ہو گیا تھا، جب ہم کہیں کہ خدا نے کسی کو عزت دی ہے تو اس کے یہی معنی ہونگے کہ وہ اپنی عزت کو خدا تعالیٰ کیلئے قربان کرنے پر تیار ہو گیا تھا اور جب ہم کہیں کہ ہر دروازہ سے کسی کیلئے سلامتی آئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ خدا تعالیٰ کیلئے ہر قربانی کرنے پر تیار ہو گیا تھا۔

پس مت خیال کرو کہ تمہارے منہ کی باتیں تمہارے کام آئیں گی اور تمہاری زبانیں تمہیں جنت میں لے جاسکیں گی۔ جب تک تم ہر دروازہ سے خدا تعالیٰ کیلئے موت قبول نہیں کرو گے، جب تک تم فرشتوں کیلئے ہر دروازہ کھولنے کیلئے تیار نہیں ہو گے، جب تک تم اپنی جان کو

خدا تعالیٰ کیلئے قربان نہیں کرو گے، جب تک تم اپنے مال کو خدا تعالیٰ کیلئے قربان نہیں کرو گے، جب تک تم اپنی عزتوں کو خدا تعالیٰ کیلئے قربان نہیں کرو گے، جب تک تم اپنی اولاد کو خدا تعالیٰ کیلئے قربان نہیں کرو گے، جب تک تم اپنی دوستیوں کو خدا تعالیٰ کیلئے قربان نہیں کرو گے، جب تک تم اپنی عادات کو خدا تعالیٰ کیلئے قربان نہیں کرو گے، جب تک تم اپنی رسوم کو خدا تعالیٰ کیلئے قربان نہیں کرو گے اور جب تک ہر دروازہ فرشتوں کیلئے کھول نہیں دو گے، اُس وقت تک تمہیں جنت میسر نہیں آ سکتی۔ یہ کوئی نیا پیغام نہیں جو مَیں نے دیا۔ حضرت آدمؑ بھی یہی پیغام لائے تھے، حضرت نوحؑ بھی یہی پیغام لائے تھے حضرت ابراہیمؑ بھی یہی پیغام لائے تھے، حضرت موسیٰؑ بھی یہی پیغام لائے تھے، حضرت عیسیٰؑ بھی یہی پیغام لائے تھے اور محمد ﷺ بھی یہی پیغام لائے تھے اور محمد ﷺ کا پیغام قیامت تک کیلئے ہے جسے کوئی بدل نہیں سکتا۔

انسانی چیزوں اور خدائی چیزوں میں فرق یہی ہے کہ انسان کی چیز پُرانی ہو جاتی ہے مگر خدا تعالیٰ کی چیز پُرانی نہیں ہوتی۔ انسان کپڑے پہنتا ہے جو چند دنوں کے بعد مَیلے ہو جاتے اور کچھ عرصہ کے بعد پھٹ جاتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ غلّہ پیدا کرتا ہے، وہ انسان کھاتا ہے جس کا کچھ حصہ پاخانہ بن کر زمین میں چلا جاتا اور پھر اس کے ذریعہ اور غلّہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر انسان کی بنائی ہوئی چیز مُولّد نہیں ہوتی۔ مگر خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز مُولّد ہوتی ہے تمہارے لٹھے کا ایک تھان پانچ تھان نہیں بن سکتا لیکن خدا تعالیٰ کا ایک دانہ ستّر دانے بن جاتا ہے۔ اسی طرح وہ دانہ پُرانا بھی ہوتا ہے اور جدید بھی۔ ایک ہی وقت میں وہ پُرانا ہوتا ہے اور اُسی وقت میں وہ جدید بھی ہوتا ہے۔ وہ دانہ جو ہم آج کھاتے ہیں کیا اپنے اندر وہی جزو نہیں رکھتا جو حضرت آدمؑ کے وقت کا دانہ رکھتا تھا؟ پھر وہی آدمؑ کے وقت کا دانہ تھا جو نوحؑ کے زمانہ میں لوگوں نے کھایا اور وہی نوحؑ کے زمانہ کا دانہ تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں لوگوں نے کھایا۔ کیا حضرت ابراہیمؑ کے وقت کا دانہ آسمان سے اُترا تھا؟ کیا وہ اسی دانہ سے نہیں نکلا تھا جو حضرت نوحؑ نے کھایا اور جو حضرت آدمؑ نے کھایا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا تو اُس وقت بھی وہی دانہ تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے وقت تھا۔ اور وہی خواص اس کے اندر تھے جو حضرت ابراہیمؑ کے وقت اس کے اندر موجود تھے۔ پس وہ قدیم بھی تھا اور جدید بھی تھا۔ بعض انسانوں کی عقل سے تلعّب کرنے کیلئے تم بے شک اسے نیا کہہ سکتے ہو، بعض انسانوں کی عقل سے تلعّب کرنے کیلئے تم بے شک اسے پُرانا کہہ سکتے ہو مگر خدا کیلئے نہ وہ نیا تھا نہ پُرانا۔ بعض

انسان بے شک اسے نیا کہہ دیں گے اور بعض انسان کہہ دیں گے یہ پُرانا ہے۔ مگر خدا اور خدا سے تعلق رکھنے والوں کے نزدیک وہ نہ نیا ہے نہ پُرانا۔ ایک ہی دانہ ہے جو سب نے اپنے اپنے زمانہ میں کھایا اور کھاتے چلے جائیں گے۔ غرض تو ایک تحریک کا نیا نام رکھنے سے یہ ہوتی ہے کہ کوئی فائدہ اُٹھائے۔ اگر انسان اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتا تو اسے جدید کہہ لو یا قدیم کہہ لو، بِدعت کہہ کر چھوڑ دو یا اچنبھا سمجھ کر منہ سے اس پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور وہی پسندیدہ ہوتا ہے جو اس کیلئے ہر قسم کی قربانی کرنے کیلئے تیار ہو، جو اپنی جان اور اپنا مال اور اپنی عزت اور اپنی آبرو اور اپنی ہر چیز خدا تعالیٰ کے حوالے کر دے، اور اسے کہہ دے کہ آپ اس سے جو چاہیں سلوک کریں۔ وہ خدا احد اور لاشریک ہے، وہ اپنی چیز میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکتا کہ کچھ حصہ اسے دیا جائے اور کچھ شیطان کو۔ یا کچھ حصہ خدا کو دیا جائے اور کچھ دوستوں اور عزیزوں کو۔ یا کچھ حصہ خدا کو دیا جائے اور کچھ حصہ دنیوی حکومتوں کو۔ یا کچھ حصہ خدا کو دیا جائے اور کچھ حصہ اپنی بیوی اور بچوں کو۔ خدا ایسے شخص کی کوئی چیز قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا، نہیں ہوا اور نہیں ہوگا۔ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ ہونے کے لحاظ سے وہی چیز قبول کرتا ہے جو خالص اُسی کو دی جائے اور اس میں کسی اور کا حصہ نہ رکھا جائے۔

پھر وہ اپنی خوشی سے جو چاہے واپس کر دے۔ مگر اُس کو یہ پسند نہیں کہ اُس کی محبت اور اس کیلئے قربانیوں میں کسی دوسرے کو حصہ دار بنایا جائے۔ پس ہر شخص جو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنے وطن اور اپنی ہر چیز کی قربانی میں کسی اور کو شریک بناتا اور پھر یہ امید رکھتا ہے کہ خدا اُس سے راضی ہو، وہ نادان ہے۔ وہ کبھی دینوی زندگی کا مَاحَصل نہیں پا سکتا۔ اس کی کوششیں عبث اور رائیگاں ہیں۔ وہ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا [۵] کا مصداق ہے۔ اور قیامت کے دن وہ اس بنجر زمین میں دانہ بونے والا قرار دیا جائے گا جس میں سے کچھ بھی نہیں اُگ سکتا۔

جس کام کیلئے ہماری جماعت اِس وقت کھڑی کی گئی ہے، وہ کوئی معمولی کام نہیں۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ نوحؑ کے زمانہ سے لے کر میرے زمانہ تک ہر نبی نے آخری زمانہ کے فتنہ سے لوگوں کو ڈرایا اور اُس کی ہیبت پر زور دیا ہے۔ مگر کیا ہماری جماعت میں یہی

احساس ہے کہ وہ آخری زمانہ کے اس بہت بڑے فتنہ کا سَر کُچلنے اور اسے دنیا سے ہمیشہ کیلئے نیست و نابود کرنے کیلئے کھڑی ہوئی ہے۔ ہر شخص اپنے نفس سے سوال کرے اور سوچے کہ اگر اس کے گھر کو آگ لگ جائے تو کیا اس آگ کو بجھانے کیلئے اس کی کوشش ویسی ہی ہوگی جیسی کوشش وہ آج اِس وقت کر رہا ہے جب خدا کے گھر کو آگ لگی ہوئی ہے۔ یا کیا اس کا بچہ اگر موت کے پنجہ میں گرفتار ہو تو وہ اس کو بچانے کیلئے اتنی ہی جدوجہد کیا کرتا ہے جتنی جدوجہد آج وہ اسلام کو موت کے منہ سے بچانے کیلئے کر رہا ہے۔ کیا اُس کے دل میں اُس وقت جو درد اور تکلیف پیدا ہوتی ہے اور اس کے اعزہ واقرباء آٹھوں پہر جس طرح بے قرار رہتے ہیں اسی قسم کا درد، اسی قسم کی تکلیف اور اسی قسم کی بے قراری تمہارے دلوں میں اسلام کی مصیبت دیکھ کر پیدا ہوتی ہے؟ اگر نہیں تو کیونکر سمجھا جا سکتا ہے کہ تمہارے نزدیک یہ فتنہ اتنا ہی عظیم الشان ہے جتنا رسول کریم ﷺ نے بیان کیا۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ ابھی بہت سی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنی قوتوں کو ضائع کیا جاتا ہے۔ کئی ہیں جو اپنی اولادوں کی ذرا ذرا سی باتوں پر ابتلا میں آ جاتے ہیں۔ کئی ہیں جو چندوں کی وجہ سے ابتلا میں آ جاتے ہیں، کئی ہیں جو قربانیوں کے دوسرے مطالبات پر ابتلا میں آ جاتے ہیں، وہ دکھ جو انسان کو بے چین کر دیتا ہے، وہ ایمان جو انسان کو شکوک وشُبہات سے بالا کر دیتا ہے، وہ عرفان جو محبت کی چنگاری انسان کے قلب میں پیدا کر دیتا ہے، ابھی بہت کم لوگوں میں نظر آتا ہے۔ اگر وہ محبت کی چنگاری ہماری جماعت کے قلوب کو گرما دیتی تو آج دنیا کی حالت کچھ سے کچھ بدلی ہوئی ہوتی۔

آج کل فلسطین میں فسادات ہو رہے اور ایک دوسرے کو لوگ مار رہے ہیں۔ کل میرے ایک بھائی نے عربی کے ایک اخبار کی ایک تصویر مجھے بھیجی۔ اس تصویر میں دکھایا گیا ہے کہ ایک عرب لیٹا ہوا ہے، اس کا ماتھا بالکل اُڑ چکا ہے، اس کا مغز نظر آ رہا ہے، ایک آنکھ اس کی نکل چکی ہے اور دوسری آنکھ زخمی ہے۔ میں نے اسے دیکھا اور میرا دل اس سے متأثر ہوا۔ کئی منٹ تک میں اسے دیکھتا رہا اور میرا دل تکلیف اور غم سے بھرتا چلا گیا۔ مگر میں نے سوچا یہ ایک آدمی ہے اس کے مرنے سے دنیا میں کونسا تغیر آ گیا۔ اس کا سارا جسم نہیں اُڑا بلکہ ماتھا اُڑا، ایک آنکھ نکلی اور اس کی دوسری آنکھ زخمی ہوئی۔ لیکن اس کو دیکھ کر ہر شخص کے جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں وہ مصر کا اخبار تھا۔ اور اس تصویر کے اوپر لکھا ہوا تھا۔ ''فلسطین کے بھائی کی تکلیف کو دیکھ اور اس کی مدد کیلئے اُٹھ''۔ میں نے کہا اس کا سارا جسم سلامت ہے صرف اس کا ماتھا اُڑا، ایک آنکھ نکلی اور

دوسری آنکھ زخمی ہوئی اور مجھے اس کی تکلیف کا اتنا احساس ہے لیکن آج اسلام کا کونسا حصہ سلامت ہے اس کا ماتھا بھی اُڑ گیا، اس کا سر بھی اُڑ گیا، اس کا ناک بھی اُڑ گیا، اس کے کان بھی اُڑ گئے، اس کے کلّے بھی پچک گئے، اس کی گردن بھی کاٹی گئی، اس کا سینہ بھی چھلنی کیا گیا اور اس کے ہاتھ اور اس کے پاؤں کو بھی کاٹ کر اس کا قیمہ کر کے رکھ دیا گیا۔ اس بے کار انسان کے قلیل زخم کو دیکھ کر جب انسانی دل تڑپ اُٹھتا ہے تو کیا اسلام کے ان گہرے زخموں کو دیکھ کر جن سے اس کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں، کوئی دردمند انسان ہے جو نہ تڑپے۔ اسلام سچائیوں کا نام ہے اور سچائی تمام چیزوں سے بالا سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اگر اسلام میں دماغ ہوتا، اگر اسلام میں قوتِ متفکرہ ہوتی، اگر اسلام کے پاس سوچنے والا دل اور بولنے والی زبان ہوتی، تو وہ خدا کے عرش کے سامنے کھڑا ہو کر کہتا کہ کاش! تُو مجھے ایک انسان ہی بنا دیتا جس کے زخم دیکھ کر لوگ تڑپ تو اُٹھتے۔ تُو نے مجھے سچائی بنایا جس کی وجہ سے میرے زخموں کو کوئی نہیں دیکھتا۔ میرے زخموں کو دیکھ کر کسی کے دل میں درد پیدا نہیں ہوتا مگر یہ حالت کِن کی ہے؟ ان لوگوں کی جو مادی دنیا کے مشاغل میں مبتلا ہیں، جنہیں روحانی نظریں حاصل نہیں، جو روحانی کیفیتوں سے لُطف اندوز نہیں ہو سکتے، جنہیں قرآن کے اَوراق محض کاغذ اور اس کے حروف محض سیاہی نظر آتے ہیں، جن کو قرآن کا حُسن صرف اتنا ہی نظر آتا ہے کہ اسے کسی اچھے کاتب نے اعلیٰ خط میں لکھا، ان کو اس قرآن کے وہ زخم نظر نہیں آتے جو اسے لگے ہوئے ہیں، نہ انہیں اسلام کے وہ زخم دکھائی دیتے ہیں جو اس کے ہر حصہ پر دشمنوں نے لگائے مگر وہ جن کی روحانی آنکھیں کُھلی ہیں، جنہیں روحانی خوبصورتی نظر آتی ہے وہ اسلام کے اس دکھ کو بھی محسوس کرتے ہیں، وہ قرآن کے ان زخموں کو بھی دیکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہی آتا ہے کہ قیامت کے دن محمد ﷺ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہونگے اور اُس سے رقّت بھرے لہجہ میں کہیں گے۔ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا۔ [6] اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو پیچھے پھینک دیا۔ لوگوں کو لہلہاتے ہوئے سبزوں کی خوبصورتیاں نظر آئیں، بل کھاتے ہوئے دریاؤں نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کیا، چمکتی ہوئی بجلیاں اور کڑکتے ہوئے بادل ان کی دلجمعی کا باعث بنے، پہاڑوں کی سرسبزیاں اور ان کی شادابیاں ان کے دلوں کی راحت کا موجب ہوئیں، مرنے والا انسان جو ہزاروں گندگیاں اپنے اندر رکھتا ہے، آنکھ کی اچھی بیٹھک یا ناک کی اچھی بیٹھک کی وجہ سے ان کا محبوب و مطلوب بن گیا مگر کسی نے توجہ نہ کی تو سارے حُسنوں

کے مجموعہ اور تمام خوبصورتیوں کے جامع قرآن کی طرف۔ دنیا داروں نے دنیا کی چیزوں کو دیکھا اور ان کے حُسن کو انہوں نے محسوس کیا۔ محمد ﷺ نے روحانی دنیا میں قرآن کو دیکھا اور اس کے حُسن کو انہوں نے اپنے دل میں جگہ دی اور دکھ محسوس کیا کہ لوگوں نے کیوں اسے چھوڑ دیا۔ لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں میرا بیٹا بڑا ذہین ہے مگر استاد اُس کی طرف توجہ نہیں کرتا اور وہ فیل ہو جاتا ہے، لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں میری بیٹی بڑی لائق ہے مگر اِس کا خاوند اس سے اچھا سلوک نہیں کرتا، لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں میرا بیٹا بڑا لائق ہے مگر اُس کی بیوی اس سے محبت نہیں کرتی، لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے بیٹے نے اعلیٰ نمبروں میں امتحان پاس کیا ہے مگر تمام محکموں پر ہندو چھائے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے اسے نوکری نہیں ملتی، لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا بچہ بیمار ہے اس کی حالت نہایت دردناک ہے۔ غرض ہر شخص دنیا کی چیز دیکھتا اور دنیا کی چیزوں کے متعلق اپنے درد دوسرے کے سامنے پیش کرتا ہے مگر محمد ﷺ خدا کا قرآن لیکر اُس کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں اے خدا! اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ کیا ہے وہ زندگی اور کیا نفع ہے اس حیات کا جس میں ہم کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ ہم دنیا کو مخاطب کرتے اور کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں جو اسلام کیلئے اپنی جانیں دینے کیلئے تیار ہیں مگر عمل سے کچھ نہیں کرتے۔ اور نہیں سوچتے کہ کیا واقعہ میں ہم اسلام کیلئے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں۔ یا کیا ہم دنیا کو اتنا بے وقوف سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری حالتوں کو نہیں دیکھتی اور ہمارے جھوٹ کو محسوس نہیں کرتی۔ کیا ممکن ہے کہ ہم سارے کے سارے بحیثیت جماعت یا ہم میں سے اکثر اسلام کیلئے اپنی جانیں دینے کیلئے تیار ہوں اور خدا تعالیٰ کے ملائکہ آسمان سے اُتر کر دنیا کا نقشہ نہ بدل دیں۔ مگر ابھی تو ہماری چھوٹی سے چھوٹی تدبیریں اور تجویزیں بھی جدید اور قدیم کے ناموں میں اُلجھتی رہتی ہیں۔ گویا ہماری مثال اُس بچہ کی سی ہے جس کی ماں مر جاتی ہے اور بچہ سمجھتا ہے کہ ماں جو مجھ سے نہیں بولتی تو وہ مجھ سے مذاق کر رہی ہے۔ اسلام میں اب کیا باقی رہ گیا ہے؟ اس کی روح اس سے نکل گئی ہے۔ قرآن کی روح بھی جاتی رہی ہے مگر ہم ابھی کھیل رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ابھی موت کا دن آنے والا ہے۔ حالانکہ اِس کی موت کا دن آچکا اور ہم اپنی نادانی اور بے وقوفی سے بچہ کی طرح اسے مذاق سمجھ رہے ہیں۔ اب اگر خدا تعالیٰ کا فضل شاملِ حال نہ ہو تو اسلام کا سوائے اس کے اور کیا باقی ہے کہ لوگ آئیں اور اِس کی لاش کو دفن کر دیں۔ ایک بچہ جس دن اُس کی ماں مرتی ہے یہ نہیں سمجھتا کہ اُس کی ماں مرگئی ہے مگر

جب وہ بڑا ہوتا ہے، جب وہ یتیم کے طور پر کسی گھر میں پالا جاتا ہے، جب اُس کے پیٹ میں درد ہوتا ہے اور وہ تکلیف کا اظہار کرتا ہے تو مالکہ اسے ڈانٹ کر کہتی ہے بے شرم بے حیا! روٹی کھانے کیلئے آموجود ہوتا ہے اور کام کے وقت پیٹ درد شروع ہو جاتا ہے۔ جب اس پر ملیریا کا حملہ ہوتا ہے، جب اس کی لاتوں اور ہاتھوں میں درد ہو رہا ہوتا ہے اور اس کی مالکہ اسے مار کر کہتی ہے بچہ کو کِھلا۔ اور جب وہ تکلیف کا اظہار کرتا ہے تو وہ اور قمچیاں[1] مارتی اور کہتی ہے نامعقول بہانے بناتا ہے۔ تب اسے محسوس ہوتا ہے کہ میری ماں مر چکی ہے اور اب دنیا میں میرا کوئی ہمدرد نہیں۔ مگر افسوس مسلمانوں پر کہ وہ قمچیاں پڑنے پر بھی نہ سمجھے۔ اسلام جس کے ذریعہ انہیں عزت حاصل تھی، اسلام جس کے ذریعہ انہیں عظمت حاصل تھی، اسلام جس کے ذریعہ انہیں فوقیت حاصل تھی، وہ اسلام جس نے ان کو بھیڑوں اور بکریوں کے چرواہوں سے اٹھا کر دنیا کا بادشاہ بنا دیا اور یورپ کے ایک سِرے سے لیکر چین کے دوسرے سرے تک ان کا ڈنکا بجا دیا وہ اسلام اور قرآن مر گئے، دفن کر دیئے گئے اور مسلمان غیر عورتوں کے سپرد کر دیئے گئے۔ ان کی طرف سے مسلمانوں پر قمچیاں پڑیں، ظلم ہوئے، تکلیفیں آئیں مگر ابھی تک وہ یہ نہیں سمجھے کہ ہم اپنے بداعمال کی وجہ سے اپنی ماؤں سے جُدا کر دیئے گئے ہیں۔ کاش! انہیں محسوس ہوتا کہ دنیا کی مائیں ایک دفعہ مر کر زندہ نہیں ہوتیں مگر روحانی مائیں زندہ ہو جاتی ہیں۔ اگر ہم میں سے وہ شخص جس کی ماں مری ہوئی ہو، اگر ہم میں سے وہ شخص جس کا باپ مرا ہوا ہو، وہ شخص جو دوسروں کے دروازہ پر ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہو، جسے کھانے کیلئے روٹی، پینے کیلئے پانی اور تن ڈھانکنے کیلئے کپڑا میسر نہ ہو، جسے نہ دن کو آرام اور نہ رات کو چین کی نیند نصیب ہو ایسے انسان کے پاس اگر کوئی شخص آئے اور کہے اے بچہ! اُٹھ اور اپنے والدین کی قبر پر افسوس اور ندامت کے دو آنسو بہا، تیری ماں اور تیرا باپ زندہ ہو جائیں گے، تو کون ہے جو پاگلوں کی طرح قبرستان کی طرف دوڑا نہیں جائے گا اور اپنے ماں باپ کی قبر پر افسوس اور ندامت کے ساتھ آنسو بہانے کیلئے تیار نہیں ہوگا۔ میری تو قوتِ واہمہ بھی اس کا خیال نہیں کر سکتی کہ ایک شخص کے سامنے یہ تجویز پیش ہو اور ایسے معقول انسان کی طرف سے پیش ہو جس پر اسے اعتبار ہو اور اس کی بات کو وہ ردّ کرنے کیلئے تیار نہ ہو، تو وہ دیوانہ وار قبرستان کی طرف نہ جائے اور اپنے آنسوؤں سے ان قبروں کو تر نہ کر دے۔ مگر ہماری روحانی ماں اسلام اور روحانی باپ قرآن دونوں فوت ہو گئے، فوت ہونے کے بعد دونوں دفن کر دیئے گئے اور کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ

ہمارا خدا کہتا ہے کہ تم عقیدت کے دو آنسو اِن پر بہا دو وہ زندہ ہو جائیں گے مگر ہمیں اتنی بھی توفیق نہیں ملتی کہ ہم دو آنسو بہا سکیں اور پھر ہم خیال کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں، پھر ہم خیال کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اگر اسلام اور قرآن کی موت پر ہمارے دو آنسو بھی عقیدت کی نذر نہیں بن سکتے تو اسلام اور قرآن سے ہماری محبت کا دعویٰ کہاں تک جائز ہو سکتا ہے۔

پس میں اپنی جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ باتیں کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔تم باتیں کرتے ہو مگر کام نہیں کرتے یہاں مجالسِ شوریٰ ہوتی ہیں، دھڑلّے سے تقریریں کی جاتی ہیں، لوگ رو بھی پڑتے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کلیجہ باہر آنے لگا ہے مگر جب یہاں سے جاتے ہیں تو سُست ہو جاتے ہیں۔ لوگ چندے لکھواتے ہیں مگر دینے کیلئے نہیں بلکہ لوگوں میں نام پیدا کرنے کیلئے۔ وہ کہتے ہیں ہم احمدیت کیلئے ہر چیز قربان کرنے کیلئے تیار ہیں مگر قربانی کے وقت پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ان کی مثال بالکل ہندوؤں کی لڑائی کی سی ہوتی ہے۔ ایک کہتا ہے پنسیری ماروں گا اور دوسرا کہتا ہے مار پنسیری تو پہلا شخص دو قدم پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم فیصلہ کر لیں کہ ہم اسلام اور احمدیت کیلئے اپنی جانیں قربان کر دیں گے اور پھر کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی ہم پر غالب آ سکے۔ بچہ کو اس کی ماں بعض دفعہ اُٹھاتی اور اُچھالتی ہوئی کہتی ! بیٹا تجھے نیچے پھینک دوں۔ جب تک بچہ ڈرتا ہے ماں اس کا مذاق اُڑاتی رہتی ہے اور کہتی ہے تجھے ابھی نیچے پھینکتی ہوں۔ مگر جب بچہ کہتا ہے پھینک دو۔ تو کیا تم سمجھتے ہو کوئی سنگدل سے سنگدل ماں بھی اس فقرہ کو سن کر بے تاب ہوئے بغیر رہ سکتی ہے۔ کیا بچہ جس وقت کہتا ہے ماں مجھے بے شک پھینک دو۔ اُس وقت ایک سنگدل سے سنگدل ماں کا دل بھی خون نہیں ہو جاتا، کیا اس کے آنسو نہیں بہہ پڑتے اور کیا وہ اس کا منہ چوم کر اسے چھاتی سے نہیں لگا لیتی اور کیا وہ اسے بھینچ کر نہیں کہتی میری جان ! تجھ پر قربان میں تجھے کب گرا سکتی ہوں۔ پھر کیا تم سمجھتے ہو ہمارا خدا ماں سے کم رحم دل ہے۔ وہ بھی ہمارے ایمان اور ہمارے اخلاص کا امتحان لیتا ہے اور کہتا ہے میں تمہیں نیچے گراتا ہوں۔ جب تک ہم کہتے ہیں ہم کو قربان نہ کرو، ہمیں نیچے نہ گراؤ، وہ اور زیادہ زور سے ہمیں ڈراتا ہے۔ مگر جب ہم کہہ دیتے ہیں ہمیں اس میں کیا عُذر ہے اور یہ کیا قربانی ہے، ہم تو اس سے بھی بڑی قربانیاں کرنے کیلئے تیار ہیں۔ وہ ماں سے زیادہ زور سے ہمیں بھینچتا، اپنے ساتھ ہمیں چمٹاتا اور پیار کرتا ہے اور ہم پہلے سے بھی زیادہ اس کے قریب ہو جاتے ہیں۔ اور جب ہم اس کے قریب ہو جائیں تو موت

کی کیا طاقت ہے کہ خدا کی گود میں ہاتھ ڈال سکے۔ ایسے انسان کو خدا اپنی گودی میں لے لیتا، اسے پیار کرتا اور اسے اپنے قریب کر لیتا ہے۔ ہماری مصیبتوں اور ابتلاؤں کا اس وقت بڑھنا بتاتا ہے کہ درحقیقت ہم حقیقی موت کیلئے ابھی تیار نہیں ہوئے۔ جس طرح ماں اپنے بچہ کو چھیڑتی ہے اور کہتی ہے میں تجھے نیچے گراؤں اور وہ کہتا ہے نہ گراؤ۔ تو چونکہ وہ اپنی ماں پر بدظنی کرتا ہے، اس لئے وہ اور زیادہ اُسے چڑاتی ہے۔ مگر جب بچہ کہہ دیتا ہے بے شک مجھے پھینک دو تب وہ اپنے بچہ کو پھینکا نہیں کرتی بلکہ اسے گلے سے چمٹا لیتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ بھی یہ دیکھتا ہے کہ ہم پھینکے جانے اور اس کیلئے موت قبول کرنے کو تیار ہیں یا نہیں۔ جس دن ہمارے دل کی گہرائیوں سے یہ آواز اُٹھی کہ اے خدا! ایک ہلاکت کیا ہم تیرے لئے ہزار ہلاکتوں کو بھی اپنے نفس پر وارد کرنے کیلئے تیار ہیں۔ اور ایک موت کیا ہم تیرے دین کیلئے ہزار موتیں بھی قبول کرنے کو تیار ہیں کیونکہ قربانی ہمارے لئے عزت کا مقام ہے اس دن خدا تعالیٰ کی محبت میں اِس زور سے جوش پیدا ہوگا اور اس کی اُلفت کے سمندر میں ایسا طوفان آئے گا کہ وہ خس و خاشاک کی طرح ہمارے مخالفوں کو بہا دے گا اور وہ دشمن کے بیڑے جو ہماری تباہی کیلئے آرہے ہیں، انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ مگر ہمیں بھی تو محبت کا کوئی جذبہ دکھانا چاہئے۔ کیا خدا تعالیٰ نے اپنی محبت کا ہاتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شکل میں ہماری طرف نہیں بڑھایا۔ مگر ہم نے اس ہاتھ کی کیا قدر کی۔ کیا ہمارے اندر اس ہاتھ کو دیکھ کر وہی جوش اور وہی محبت پیدا ہوئی جو اِس قسم کے احسان اور سلوک کے نتیجہ میں پیدا ہونی چاہئے۔ ہم نے تو اس احسان کی طرف ایسی ہی توجہ کی جیسے انسان قوسِ قزح کا نشان آسمان پر دیکھتا ہے تو تھوڑی دیر کیلئے کہہ دیتا ہے۔ واہ واہ کیا اچھا نشان ہے۔ اور یہ کہہ کر پھر اپنے کام میں مشغول ہو جاتا ہے اور اسے خیال بھی نہیں آتا کہ آسمان پر قوسِ قزح ہے۔

بے شک ہم میں مخلص بھی ہیں۔ وہ بھی ہیں جو اپنی جان اور اپنا مال اور اپنی عزت اور اپنی آبرو ہر وقت قربان کرنے کیلئے تیار ہیں مگر اُن کی تعداد کتنی ہے؟ عام لوگوں کو تو ان سادہ لوح اَن پڑھ مخلصوں پر رشک کرنا چاہئے جو گو علمِ ظاہر سے محروم تھے مگر خدا تعالیٰ نے ان کو علمِ باطن دیا ہوا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی زندگی کے آخری ایام میں آخری جلسہ سالانہ پر سیر کیلئے باہر نکلے تو جس وقت آپ اس بڑ کے درخت کے قریب پہنچے جو آجکل ریتی چھلّہ کے درمیان میں ہے تو ہجوم کی زیادتی کی وجہ سے سیر کیلئے جانا آپ کیلئے مشکل ہو گیا اور اسی جگہ ٹھہر

کرآپ نے لوگوں کو مصافحہ کا موقع دیا۔ اُس وقت ہجوم میں پانچ چھ سَو کے قریب لوگ تھے۔ ہجوم کی زیادتی اور محبت کے وفور کی وجہ سے مصافحہ کیلئے رستہ ملنا بعض کو مشکل ہو گیا۔ ایک زمیندار سے دوسرے زمیندار نے پوچھا کیوں بھئی مصافحہ کرلیا۔ اُس نے جواب دیا ہجوم بہت ہے اور دھکّے لگتے ہیں، میں نے تو ابھی مصافحہ نہیں کیا۔ وہ کہنے لگا دھکّے کیا ہوتے ہیں۔ اگر تمہاری ہڈیوں سے بوٹیاں بھی الگ ہو جائیں تو پروا نہیں، ہجوم میں گھس جاؤ اور مصافحہ کرآؤ، یہ دن تمہیں پھر کہاں نصیب ہو سکتے ہیں۔

وہ ایمان تھا اور وہ اخلاص تھا جو حقیقی محبت پر دلالت کرتا تھا۔ یعنی خدا کی طرف سے آنے والے کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چُھونے کیلئے اگر گوشت ہڈی سے جُدا ہو جاتا ہے تو جدا ہو جائے کیونکہ یہ دن روز روز میسر نہیں آ سکتے۔ کاش! ہم ان لوگوں کے دلوں کی کیفیت کا احساس کر سکتے جو محمد ﷺ کے بعد اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے تیرہ سَو سال کے عرصہ میں ہوئے، کاش! ہم اس درد کو جانتے، کاش! ہم اس گریہ وزاری پر اطلاع رکھتے جو درد اور جو گریہ وزاری ان لوگوں کو اس حسرت میں پیدا ہوتی کہ کاش وہ محمد ﷺ کو نہیں، آپ کے پاؤں کو نہیں بلکہ آپ کے پاؤں کی خاک کو ہی چُھونے کا فخر حاصل کر سکتے۔ اگر یہ چیز ہمارے سامنے آ جائے تو شاید ہمیں شرمندگی پیدا ہو، شاید ہمارے دلوں میں بھی احساس ہو کہ ہم نے کتنی بڑی چیز کی ناقدری کی۔ خدا تعالیٰ نے ایک آواز ہمارے لئے بلند کی، اس نے ایک ہاتھ ہماری طرف لمبا کیا اور ہمیں موقع دیا کہ ہم پھر محمد ﷺ کے صحابہؓ کا مقام حاصل کریں، پھر ہم اپنے خدا کو مل سکیں لیکن افسوس ہم نے اس کی قدر نہ کی اس کی قیمت کو نہ پہچانا اور اسی طرح گذر گئے جس طرح بازار میں سے کوئی خربوزوں کے ڈھیر اور آموں کے ٹوکروں پر سے گزر جاتا ہے۔

پس ہماری جماعت کو چاہئے کہ وہ پہلے اس چیز کو سمجھے کہ وہ ہے کیا؟ جب تک اس مقام کو وہ نہیں سمجھتی، اُس وقت تک اسے اپنے کاموں میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

تحریک جدید تو ایک قطرہ ہے اُس سمندر کا جو قربانیوں کا تمہارے سامنے آنے والا ہے جو شخص قطرہ سے ڈرتا ہے وہ سمندر میں کب کُود ے گا۔ پانی کے قطرے سے تو وہی ڈرتا ہے جسے ہلکے (باؤلے) کُتّے یعنی شیطان نے کاٹ لیا ہو ورنہ کبھی تندرست بھی قطرے سے ڈرا کرتا ہے؟ تندرست اگر ڈر سکتا ہے تو سمندر سے۔ کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ نہ معلوم میں اس میں تیر سکوں یا نہ تیر

سکوں اور نہ معلوم اسے عبور کر سکوں یا نہ کر سکوں مگر کوئی سمجھدار اور باشعور انسان پانی کے قطرہ سے نہیں ڈرتا۔

پس جو شخص قطرے سے ڈرے اس کے متعلق سمجھ لو کہ اسے ہلکے کُتّے یعنی شیطان نے کاٹا ہے کیونکہ تحریک جدید ایک قطرہ ہے قربانیوں کے سمندر کے مقابلہ میں۔ اب جو شخص اس قطرے سے خائف ہے یقیناً اسے ہلکے کُتّے نے کاٹا ہے۔ یعنی یقیناً اس پر شیطان نے غلبہ کیا ہوا ہے اور اس کا ایمان ضائع ہو چکا ہے۔ پس اس قطرے کا نگل لینا کونسا مشکل کام ہے۔ ابھی تو اس سمندر میں تمہیں تیرنا ہے۔ جس سمندر میں تیرنے کے بعد دنیا کی اصلاح کا موقع تمہیں میسر آئے گا۔ کیا قرآن میں یہ آیت پڑھتے وقت کہ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْراً تمہارے دل میں یہ درد پیدا نہیں ہوتا۔ کہ کاش! جس وقت محمد ﷺ اپنے خدا کے سامنے یہ کہیں کہ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْراً اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا، اس وقت وہ ایک استثناء بھی کریں اور وہ استثناء تمہارا ہو۔ جس وقت وہ یہ کہیں کہ اے میرے رب! میری قوم نے تیرے اِس قرآن کو چھوڑ دیا تو اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہیں کہ میں اس قوم اور اس جماعت کو مستثنیٰ کرتا ہوں۔ کیا یہ خواہش تمہارے دلوں میں کبھی پیدا ہوتی ہے یا نہیں۔ اور اگر ہوتی ہے تو تم قربانیوں کیلئے کیوں آمادہ نہیں ہوتے۔ کب تک تم کو سُنانے والے سنائیں گے، کب تک تم کو جگانے والے جگائیں گے۔ ہر دن جو گذر رہا ہے وہ تم کو اس چشمہ سے دُور کر رہا ہے جس چشمہ سے تمہاری نجات وابستہ ہے، جس چشمہ سے تمہاری حیات وابستہ ہے۔ پس ہوشیار ہو جاؤ اور بیدار ہو جاؤ اور اس دن کا انتظار نہ کرو کہ جب تمہیں جگانے والے نہیں رہیں گے اور نہ ہوشیار کرنے والے رہیں گے۔ آج تمہارا بوجھ بٹانے والے دنیا میں موجود ہیں۔ مگر وہ ہمیشہ نہیں رہ سکتے کیونکہ خدا کی یہ سنت چلی آئی ہے کہ بوجھ بٹانے والے وہ ہمیشہ ساتھ نہیں رکھتا۔

پس اپنے اندر تغیر پیدا کرو اور چھوٹے چھوٹے امتحانوں میں کامیاب ہونے کی کوشش کرو تا بڑے امتحانوں میں تم کامیاب ہو سکو۔ تم نیت کر لو اور ارادہ کر لو اس بات کا کہ تم خدا کیلئے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی انکار نہیں کرو گے، تم نیت کر لو اور ارادہ کر لو اس بات کا کہ اگر تمہیں خدا کیلئے اپنے کسی عزیز اور رشتہ دار کو چھوڑنا پڑے تو تم اسے بخوشی چھوڑنے کیلئے تیار ہو گے، تم نیت کر لو اور ارادہ کر لو اس بات کا کہ تم خدا کیلئے ہر قسم کی موت قبول کرنے کیلئے تیار رہو

گے، تم خدا کیلئے مر جاؤ اور اس کیلئے موت قبول کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ پھر تمہیں اس کی طرف سے ابدی زندگی ملے گی۔ تم اس کیلئے گڑھے میں گرنے کیلئے تیار ہو جاؤ کہ جو خدا کیلئے گڑھے میں گرنے کیلئے تیار ہو جائے گا، خدا اسے اپنی گود میں اُٹھا لے گا۔ تم ان لوگوں میں سے مت بنو جنہوں نے محمد ﷺ کے قول کے مطابق قرآن اُٹھا کر اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا۔ بلکہ تم ان لوگوں میں سے بنو جنہوں نے جب دیکھا کہ قرآن کو پیٹھوں کے پیچھے پھینکا جا رہا ہے تو انہوں نے فوراً اپنی جھولیوں میں اسے اُٹھا لیا۔

(الفضل ۲۔ جولائی ۱۹۳۶ء)

---

۱ المائدۃ : ۲۵

۲ موضوعات کبیر، ملا علی قاری صفحہ ۵۹۔ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۶ھ

۳ الشعراء : ۴

۴ سیرۃ ابن ھشام الجزء الثانی صفحہ ۸۴۔ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۵ الکھف : ۱۰۵ ۶ الفرقان : ۳۱

۷ قمچیاں: کوڑے۔ تازیانے۔ چابکیں۔ چھڑی۔ پتلی اور لچکدار ٹہنیاں